# ابوعبداللہ محمد بن کرام

## اور ان کے پیروؤں کی دینی اور تعلیمی سرگرمیوں کا جائزہ

پروفیسر اقتدار حسین صدیقی

وسط ایشیا جس میں، ماوراء النہر، افغانستان اور خراسان شامل ہیں، ان میں اسلام کی اشاعت اور تبلیغ بنوامیہ کے زمانہ میں شروع ہوئی۔ اہم شہروں اور فوجی اہمیت کے مقامات پر عربوں کی آبادیاں قائم ہوئیں۔ ان بسنے والے عربوں میں اسلام کی اشاعت کا جذبہ تھا اور وہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ ان علاقوں میں اسلامی فتوحات سے پہلے بدھ مذہب اور زرتشتی مذہب کا زور تھا لیکن اسلامی فتوحات کے بعد جلد ہی مقامی لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ البتہ شہروں کے باہر دیہاتی علاقوں میں مسلم علماء کی صحیح معنی میں پوری توجہ نہیں رہی۔ اس وجہ سے عوام کا اسلام سے تعلق برائے نام ہی رہا۔ مسلمان ہونے کے بعد بھی اُن میں قدیم غیر اسلامی رسم و رواج باقی رہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ دیہات میں نومسلم عوام کی تعلیم و تربیت کا کوئی معقول انتظام نہ ہو سکا تھا لیکن کبھی کبھی دیندار علماء نے عوام میں اسلامی تعلیمات کو عام کرنے اور دعوت و تبلیغ کا کام بڑے خلوص سے کیا، اور ان کی مساعی جمیلہ کے باعث عوام میں کسی حد تک علم دین کا فروغ ہوا۔ نویں صدی عیسوی میں ایسے ہی ایک بزرگ ابوعبداللہ محمد بن کرام سیستانی وغیشاپوری تھے۔ اُن کی توجہ کا مرکز شہروں اور دیہات میں پیشہ ور غریب عوام اور کسان تھے۔ اپنی پوری زندگی میں وہ ان کی اصلاح اور تعلیم و تربیت میں مصروف رہے۔ اُن کے بعد میں ان کے پیروؤں کا ایک علیحدہ فرقہ بن گیا جس کو تاریخ کی کتابوں میں کرامیہ فرقہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس مقالہ میں ہم کرامیہ فرقہ کی تعلیمات اور مختلف ممالک میں اُس کی مقبولیت کا جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

ابوعبداللہ محمد بن کرام جن کا سن وفات ۸۶۹ء ہے سیستان (سجستان) میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ نسلاً عرب تھے۔ تعلیم و تربیت کے بعد انھوں نے اسلام کی تبلیغ کے

لیے اپنی زندگی کو وقف کر دیا تھا۔ وہ فطرتاً زہد و تقویٰ کی طرف مائل تھے۔ تبلیغ اور اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں اُن کی توجہ کا مرکز غریب اور نادار مسلم عوام تھے۔ معاصر مورخین نے اُن کو آتش بیان مقرر بتایا ہے۔ عوام میں ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جہاں بھی جاتے تھے اصحاب پیشہ، مزدوروں اور کسانوں کی بڑی جماعت ان کے پیچھے ہو جاتی تھی۔ غالباً ان کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے خائف ہو کر سیستان کے حکمراں نے اُن کو جلاوطن کر دیا تھا۔ جلاوطنی کے باعث وہ اپنے وطن سے ہجرت کر کے نیشاپور چلے گئے۔ نیشاپور خراسان کا دارالخلافہ ہونے کے علاوہ اسلامی علوم اور ثقافت کا مرکز بن گیا تھا۔ یہاں بھی اُن کا اثر و رسوخ اس قدر بڑھا کہ سامانی گورنر محمد ابن طاہر کو خطرہ ہوا کہ وہ کہیں شورش برپا نہ کر دیں۔ اس زمانہ میں خراسان میں سیاسی انتشار بڑھا ہوا تھا۔ اسمٰعیلیوں نے قہستان پر قبضہ کر لیا تھا اور برابر کوشش کر رہے تھے کہ اردگرد کے علاقوں میں بھی ان کے حامیوں اور پیروؤں کی تعداد بڑھے تاکہ ان کے سیاسی اقتدار کی توسیع ممکن ہو سکے۔ لہٰذا ابوعبداللہ محمد بن کرام کو قید کر لیا گیا اور وہ آٹھ سال تک جیل میں رہے۔ لیکن رہائی کے بعد انھوں نے پھر تبلیغی اور اصلاحی کام شروع کر دیا۔

افغانستان کے پہاڑی علاقوں، خصوصاً غور اور غرجستان، خراسان اور ماوراءالنہر میں مسلم عوام جیسے کپڑا بننے والے، کسان اور مزدور اور دوسرے پیشہ ور لوگ ان کے خلوص اور اُن کی تعلیم سے متاثر ہو کر ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور اُن کی حیات ہی میں اُن کے پیرو وسط ایشیا، موجودہ افغانستان اور ایران اور خراسان میں پھیل گئے اُن کی تعلیمات اور عقائد کا گاڑھ اور اہم ماخذ ابوعبداللہ محمد بن کرام کی تصنیف "عذاب القبر" تھی۔ خیال ہوتا ہے کہ شاید اس کو اُن کے مخالفین نے ضائع کر دیا۔ اس لیے کہ اس کا سراغ دنیا کے کسی کتب خانہ میں نہیں ملتا۔ کرامیہ فرقہ کی واقفیت کے لیے ہمارے پاس براہِ راست ان کی تصنیفات نہیں ہیں اس لیے غیر کرامیہ مصنفین کی کتابوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ ان میں سے بعض نے ان کی صحیح تصویر پیش کی ہے تو بعض نے کسی وجہ سے ان کی تنقیص اور مذمت کا رویہ اختیار کیا ہے۔ اُن کے مخالفین کی تحریروں کے مطابق ابو عبداللہ محمد بن کرام کا اللہ تعالیٰ کا تصور قابل اعتراض تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے تجسیم اور تشبیہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو انسان کا روپ دے دیا تھا جو قرآنی تعلیم کے خلاف ہے۔ مزید برآں اُن کے نزدیک اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہے جیسے کہ مادہ سے بنا ہوا انسان۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غالباً "عذاب القبر" کتاب میں مصنف نے قرآن میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان ہوئی ہیں اُن کو اُن کے ظاہری معنوں میں لیا ہے اور ضرورت سے زیادہ اپنی تشریح اور توجیہ پر زور دیا ہے جس کی بنا پر علماء کو ان پر تنقید کرنی پڑی تھی۔

عہد وسطیٰ کے مورخین کی طرح دورِ حاضرہ کے اسکالرس نے بھی ابوعبداللہ محمد بن کرام کے مذہب اور تعلیمات کے متعلق مختلف آراء کا اظہار کیا ہے ۱۹۳۰ء میں پروفیسر محمد حبیب نے اپنے انگریزی مقالہ "شہاب الدین آف غور" میں کرامیہ فرقہ کا حوالہ دیا ہے کیونکہ ابتداء میں سلطان کا اس سے تعلق تھا انھوں نے شہرستانی کی مشہور تالیف "کتاب الملل والنحل" کی بنا پر لکھا ہے کہ "اس فرقہ کا بانی ابوعبداللہ کرام سجزستان یعنی سیستان کے ایک پاکباز لیکن جاہل شخص تھے۔ انھوں نے ہر مذہب سے کچھ نہ کچھ لے کر اپنی کتاب میں شامل کر لیا تھا۔ اور غزجستان، غور اور خراسان کے جاہل عوام میں مقبولیت حاصل کر لی تھی۔ اس طرح ایک نیا فرقہ پیدا ہوا۔ بعد میں سلطان محمود بن سبکتگین نے اس (فرقہ) پر بہت زیادہ نوازش کی۔ شیعہ اور کٹر سنی دونوں ہی کو کرامیہ (کے علماء) کے ہاتھوں سخت اذیت اُٹھانی پڑی۔ کرامیہ کا عقیدہ ایسے خدا کا تھا جو کہ مادہ (سے بنے ہوئے انسان) کی طرح ہو۔ وہ فکری طور پر خارجی فرقہ کے قریب تھے۔ ہمارے خیال میں کرامیہ کا شمار صفتی فرقہ کے پیروؤں میں ہونا چاہیے۔ کیونکہ ابوعبداللہ بن کرام اللہ تعالیٰ کی صفات کی حقیقت میں اعتقاد رکھتے تھے۔ ان کے یہاں اللہ تعالیٰ کا تصور مادی انسان کا سا تھا[۱]۔ پروفیسر حبیب مزید خیال آرائی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کرامی نہ تو سنی تھے اور نہ ہی شیعہ وہ (اسلام سے) نابلد مسلمان (Muslim pagans) تھے۔ ان کے مطابق اللہ تعالیٰ کرسی (عرشی) پر اسی طرح متمکن تھے جیسے کہ (ماقبل اسلام وسط ایشیا کے لوگوں کے نزدیک) گوتم بدھ کنول پر بیٹھے ہوئے (تصور کیے جاتے تھے) ماقبل اسلام غور و غزجستان کے دیوتاؤں کی طرح اللہ تعالیٰ کی بھی انسانی صفات تھیں[۲]۔ خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب "سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات" میں پروفیسر حبیب کی رائے کو من وعن مان لیا ہے[۳]۔

---

[۱] محمد حبیب، سلطان شہاب الدین آف غور (انگریزی) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جرنل، نمبر ۱، جنوری ۱۹۳۰ء ص ص ۱۰ تا ۵۱، مزید فٹ نوٹ ۵۲

[۲] ایضاً

[۳] خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی، ۱۹۵۹، ص ص ۱۲، ۱۳۰

۱۹۶۰ء میں انگلینڈ کے اسکالر سی۔ای۔بوسورتھ نے کرامیہ فرقہ پر زیادہ دیدہ ریزی سے سے تحقیق کی۔انھوں نے دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی کے پورے لٹریچر کا تنقیدی مطالعہ کرکے کرامیہ فرقہ کی صحیح تصویر پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔وہ کرامیہ فرقہ کے پیروؤں کو Lite-ralist بتاتا ہے یعنی "جو قرآن کی آیات کے ظاہری معنی لیتے ہیں"[1]۔ ان کا مقالہ گیارہویں صدی عیسوی تک کا احاطہ کرتا ہے۔

دراصل ابوعبداللہ محمد بن کرام فقہی مسلک کے اعتبار سے سنی مسلمان تھے۔اُن کا اجتہاد امام ابوحنیفہؒ کے مرتب کیے ہوئے اصول پر مبنی تھا۔وہ ابوحنیفہؒ سے عقیدت رکھتے تھے اور اُن کے فقر سے متاثر ہو کر بہت ہی سادہ اور درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن چونکہ اُن کے ہم عصر سنی فقہاء سلاطین کے درباروں سے منسلک ہو کر سلاطین کے مفادات کو مدنظر رکھ کر قوانین کی توجیہہ کرتے تھے اور عیش و آرام کے عادی ہو گئے تھے وہ ابوعبداللہ محمد بن کرام کے لیے کوئی اچھا نمونہ یا قابل اتباع نہیں تھے بلکہ اسی طرح کے علماء ان کی تنقید کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔وہ اسمٰعیلی شیعہ فرقہ اور معتزلہ کے اس لیے خلاف تھے اور ان کو اسلام کے زمرہ سے خارج سمجھتے تھے کہ یہ دونوں فرقے قرآنی آیات کی تشریح یا توجیہہ عقلی انداز میں اور غیر اسلامی اثرات کے تحت کرتے تھے۔شیعہ فرقے سے توحید اور طہارت کے مسائل میں بھی انھیں اختلاف تھا مثلاً کرامیوں کے نزدیک مسلمان ہونے کے لیے توحید پر ایمان لانا کافی تھا لیکن اس کے برعکس شیعہ (غالباً اثنا عشری) توحید کے ساتھ طہارت کو بھی لازمی قرار دیتے تھے۔

جب مشہور عرب سیاح اور جغرافیہ کے ماہر المقدسی خراسان اور وسط ایشیا کی سیاحت کر رہے تھے تو ان کی کرامیہ فرقہ کے علماء سے ملاقات ہوئی جن کی درویشانہ طرز زندگی اور مذہبیت سے وہ کافی متاثر ہوئے لہٰذا وہ کرامیہ فرقہ کے پیروؤں کو راسخ العقیدہ سنی مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں کہ کرامیہ درویشی (یعنی فقر) کے قائل ہیں اور دنیاوی عیش و عشرت سے پرہیز کرتے ہیں۔وہ امام ابوحنیفہ کی شخصیت اور تعلیمات سے متاثر ہیں۔جو شخص امام ابوحنیفہ یا امام مالک یا امام شافعی اور یا عظیم محدث (امام احمد بن حنبل)

---

[1] سی۔ای۔بوسورتھ، The Rise of Karamiyyah in Khurasan, Muslim World Vol. L, 1960, PP. 5-14

سے رہنمائی حاصل کرتا ہے وہ اپنے دینی افکار میں متشددانہ رویہ اختیار نہیں کرسکتا۔ وہ حضرت معاویہؓ کی محبت میں بھی شدت اور غلو کے قائل نہیں ہیں[۱]۔ اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے تصور میں نہ تو تجسیم کے تصور کو داخل کرتے ہیں اور نہ انسانی صفات ہی کو اس پر محمول کرتے ہیں۔ ایسے شخص کو بدعتی (یا گمراہ) نہیں کہا جاسکتا[۲]۔

المقدسی شیعہ اور کرامیہ فرقہ کے پیروؤں کے مابین مذہبی تنازعہ کا بھی ذکر کرتے ہیں جو کہ نیشاپور میں اُن کے زمانۂ قیام میں جاری تھا۔ اسی طرح انھوں نے شہر ہرات میں کرامیہ اور عملیہ فرقوں کے پیروؤں میں تنازعہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ کرامیوں کو شیعہ فرقہ سے اس بات پر اختلاف تھا کہ طہارت ایمان کا جز ہے تو عملیہ فرقہ کے پیروؤں سے وہ عمل کے مسئلہ پر اختلاف کرتے تھے۔ کرامیوں کا عقیدہ تھا کہ توحید کو صدق دل سے ماننے اور کلمۂ شہادت کا اعلان کرنے پر آدمی کا ایمان مکمل ہوجاتا ہے برعکس اس کے عملیہ فرقہ کے لوگ عمل کو بھی جزو ایمان تصور کرتے تھے[۳]۔ یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ یہ تنازعہ صرف دینی فکر سے تعلق رکھتا تھا۔ عمل میں کرامیہ طہارت اور عمل میں کسی سے کم نہیں تھے۔ کرامیوں کے فقر اور درویشانہ زندگی سے متعلق مواد معاصر لٹریچر میں ملتا ہے اسی بنیاد پر دور حاضر کے روسی اسکالر بارتھولڈ نے ان کو Pietist (گوشہ نشین عابد) کہا ہے۔ لیکن بوسورتھ کو اُن سے اختلاف ہے۔ وہ انھیں گوشہ نشین نہیں مانتے اس لیے کہ کرامیہ علما ہمیشہ فعال مبلغ رہے ہیں وہ اپنے مخالفین سے بحث ومناظرہ میں بھی سرگرم رہتے تھے۔

---

[۱] یہ بات دلچسپ ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں غالباً شیعہ تبرا کے ردعمل میں سُنّی مسلمان حضرت معاویہؓ بن ابوسفیانؓ کی محبت میں شدت سے کام لینے لگے تھے۔ لیکن سنجیدہ اور معتدل مزاج کے سنّی اشراف شدت کے قائل نہیں تھے لیکن تیرہویں صدی ہجری تک سنیوں پر بھی شیعہ پروپیگنڈے کا اثر ہونے لگا تھا۔ کم از کم یزید بن معاویہ کے سلسلہ میں غلط روایات واقعات کی شکل اختیار کرگئیں تھیں۔ مثلاً ۱۲۵۹ھ میں منہاج سراج حضرت معاویہؓ کے حضرت علی سے اختلافات کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ کا اختلاف اجتہاد کی بنا پر تھا لیکن یزید کی مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ سور کا گوشت بھی کھاتا تھا۔

منہاج سراج جوزجانی، طبقات ناصری۔ کابل۔ ۱۹۶۳ء جلد اول۔ ص ص ۹۳، ۹۴

[۲] ملاحظہ کیجئے سی۔ ای۔ بوسورتھ کا مقالہ جس میں المقدسی کا اقتباس انگریزی ترجمہ میں پیش کیا گیا ہے۔ Muslim World, Vol. L, 1960, pp. 6-7

[۳] ایضاً ص ۸۰

العطبی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دسویں صدی کے اخیر اور گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز پر کرامیہ فرقہ کی مقبولیت اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئی تھی۔ غزنی کے فرماں روا امیر سبکتگین اور اس کا بیٹا سلطان محمود نے اس زمانہ میں کرامیہ فرقہ کی سرپرستی کی۔ ان کے اثر و رسوخ کی بنا پر معتزلہ اور اسمٰعیلی شیعہ کے داعی خراسان میں سختی سے دبا دیے گئے یا قتل بھی ہوئے۔ تاریخ سیستان کے نامعلوم مؤلف کے مطابق امیر سبکتگین کرامیہ مسلک کا ماننے والا تھا۔ جب سیستان میں خانہ جنگی شروع ہوئی اور امیر خلف نے اپنے سیاسی حریف امیر حسین کا محاصرہ کیا تو آخرالذکر نے سبکتگین سے فوجی مدد مانگی۔ جب سبکتگین غزنی سے امیر حسین کی مدد کے لیے اپنی فوج کے ساتھ سیستان کی جانب بڑھا تو امیر خلف نے تحفہ کے ساتھ اس کو راستے میں یہ پیغام بھیجا کہ امیر حسین زندیق ہے۔" چونکہ سبکتگین کرامی تھا، لہٰذا وہ راستہ سے ہی بست کی طرف واپس ہو گیا۔[1]

سبکتگین کے بعد اس کے بیٹے سلطان محمود نے بھی کرامیہ علماء پر اپنی نوازش جاری رکھی۔ اس کے ابتدائی زمانے میں کرامیہ عالم ابوبکر محمد کا سیاسی وقار خراسان میں بہت بڑھ گیا تھا۔ وہ نیشاپور میں رہتے تھے اور ہر اس بات کا سدباب کرتے تھے جو کہ شریعت کے خلاف نظر آتی تھی۔ اسمٰعیلی اثر کو ختم کرنے کے لیے انھوں نے اسمٰعیلی داعیوں کا قلع قمع کرا دیا تھا۔ جو بچ سکے وہ خراسان سے بھاگ گئے تھے۔ شریعت ہی کے احترام کے سلسلے میں ان کے نیشاپور کے عظیم صوفی بزرگ شیخ ابوسعید ابن ابی الخیر سے بھی تنازعہ رہا وہ خانقاہی ماحول کے خلاف تھے کیونکہ وہاں پر غیر مسنون ریاضتیں اور اعمال روا رکھے جاتے تھے۔[2] غالباً غزنوی حکمرانوں کے دوستانہ اور عقیدت مندانہ رویہ کے اثر میں معاصر شاعر ابوالفتح بستی نے کرامیہ فرقہ کی تعریف میں عربی زبان میں مندرجہ ذیل اشعار لکھے:

الفقہ فقہ ابی حنیفۃ وحدہ — والدین دینُ محمد بن کرام
ان الذین اراھم لم یومنوا — لمحمد بن کرّام غیر کرام[3]

---

[1] تاریخ سیستان (جو کہ ۱۰۵۲ء سے ۱۳۲۴ء تک کا احاطہ کرتی ہے) مرتبہ ملک الشعرا بہار، طہران ۱۳۱۴ شمسی ص ۳۴۲

[2] سی ای بوسورتھ، مقالہ ۱۰-۱۱

[3] العطبی، تاریخ یمنی، تیرہویں صدی عیسوی کا فارسی ترجمہ، ایران ص ص ۳۹۲ تا ۳۹۳

(ترجمہ: واحد اور صحیح فقہی مسلک امام ابو حنیفہ کا ہے۔ جیسے کہ صحیح دینی مسلک محمد بن کرام کا ہے۔ وہ لوگ جو کہ محمد بن کرام کے دینی مسلک سے انحراف کرتے ہیں جیسا کہ میں نے مشاہدہ کیا ہے بے کرام یعنی گمراہ ہیں۔)

لیکن ۱۱۱۲ء میں سلطان محمود کا رویہ کرامیہ فرقہ کے سلسلے میں تبدیل ہوگیا۔ اس کی وجہ العطبی نے یہ بتائی ہے کہ جب قاضی ابو العلاء صاعد بن محمد حج کا فریضہ ادا کرنے کے بعد بغداد سے عباسی خلیفہ کا پیغام لے کر سلطان کے پاس غزنی پہنچے تو انھوں نے سلطان کو بتایا کہ کرامیہ فرقہ کی تعلیمات قرآن اور سنت کے خلاف ہیں۔ خاص طور پر تجسیم اور تشبیہ کا مسئلہ کہ اللہ تعالیٰ کا انسان کا سا جسم اور روپ ہے غلط ہے۔ ان کا اعتراض تھا کہ انسانی صفات کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی ہر مخلوق سے مختلف اور بالاتر ہے سلطان محمود جو کہ مذہب اور شریعت کا احترام کرتا تھا اُس نے ابو بکر محمد کو نیشاپور سے بلایا۔ ان کے آنے پر اُن کا قاضی صاعد سے مناظرہ ہوا۔ ابو بکر محمد نے سب الزامات کی تردید کی اور کہا کہ اُن کے عقائد کا تجسیم اور تشبیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انتقامی جذبہ کے تحت انھوں نے قاضی صاعد کو معتزلہ بتایا۔ مناظرہ کی کارروائی کا جو نتیجہ نکلا وہ قاضی صاعد کے حق میں تھا۔ اگرچہ سلطان نے ابو بکر محمد کو کوئی سزا نہیں دی لیکن یہ فرمان جاری کیا کہ اس کی قلمرو میں کرامیہ علماء کو مدرسوں سے برطرف کر دیا جائے۔ اس واقعہ کے بعد ابو بکر محمد کا سیاسی اثر ختم ہوگیا اور وہ گوشہ نشین ہو کر عبادت اور ریاضت میں منہمک ہو گئے اور آخر عمر تک عبادت ہی میں مصروف رہے[1]

گیارہویں صدی عیسوی کے بعد تیرہویں صدی عیسوی کی ابتدائی دہائیوں تک کرامیہ فرقہ کا اثر ماوراء النہر، خراسان، غور اور اس سے وابستہ علاقوں میں باقی رہا۔ کرامیہ علماء برابر درس و تدریس میں مصروف رہے۔ منہاج سراج جوزجانی جن کی پرورش غور کے دارالخلافہ فیروزکوہ میں شاہی محل میں ہوئی اور جو خراسان اور افغانستان پر منگولوں کے سیاسی غلبہ کے بعد ۱۲۲۷ء میں ہندوستان میں پناہ کے لیے آئے وہ لکھتے ہیں کہ غور کے سلاطین "برطریق مذہب کرامیان" قائم رہے[2] لیکن ان سلاطین میں صرف سلطان

---

[1] تاریخ یمینی (فارسی ترجمہ) ص ص۔ ۳۹۲ تا ۳۹۷

[2] منہاج سراج جوزجانی۔ طبقات ناصری، کابل، ۱۹۶۳ء، جلد اوّل، ص ۳۶۲
۳۹۲

علاءالدین جہاں سوز نے اپنی حیات کے آخری سالوں میں قرامطہ (یعنی اسمٰعیلی) شیعہ فرقہ کی تعلیم سے متاثر ہو کر ان کے داعیوں کو غور آنے کی دعوت دی اور ان کے مذہب کی تبلیغ واشاعت میں دلچسپی ظاہر کی۔ لیکن سلطان کی موت کے بعد اس کا بیٹا اور جانشین سلطان سیف الدین محمد بن حسین جو کہ "دیندار وسنّی و در اسلام صلب بود" اُس نے تخت نشین ہونے کے بعد اسمٰعیلی داعی جو کہ الموت سے آئے تھے اور جن کو جوزجانی ملاحدہ کہتے ہیں سب کو قتل کرا دیا اور فرمان جاری کیا کہ "جس گاؤں میں بھی ان کا اثر پایا جائے اس کو مٹا دیا جائے اس طرح ملحدکشی کرکے سب کو جہنم پہنچا دیا گیا[۵۱]۔ جوزجانی کے بیان کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ کرامیہ فرقہ کے پیرووں کو سنّی تصوّر کرتے تھے۔ جیسا کہ بعد میں سلطان غیاث الدین محمد بن سام اور اس کے چھوٹے بھائی سلطان معزالدین محمد بن سام (جن کو عام طور پر شہاب الدین غوری کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے) کے احوال سے بھی واضح ہوتا ہے۔

بارہویں صدی کے نصف آخر میں کرامیہ علماء میں سب سے ممتاز عالم امام صدرالدین علی ہیصم نیشاپوری تھے اور شہر افشین (علاقہ غرستان) کے مدرسہ میں صدر معلم تھے۔ اسی دور میں سلطان وقت غیاث الدین محمد بن سام (م۔ ۱۲۰۲ء) نے قاضی وحیدالدین مروالرودی شافعی کے زیر اثر کرامیہ مسلک کو ترک کرکے شافعی مذہب اختیار کرلیا[۵۲]۔ اس سے پہلے سلطان کے چھوٹے بھائی سلطان معزالدین محمد بن سام (یعنی شہاب الدین غوری) نے غزنی کے تخت پر بیٹھنے کے بعد حنفی مسلک اختیار کرلیا تھا۔ لیکن بڑے بھائی کے شافعی ہونے پر امام صدرالدین نیشاپوری کو بڑا صدمہ ہوا۔ انھوں نے سلطان کے خلاف طنزیہ قطعہ نظم کرکے اس کے پاس بھیج دیا۔ یہ قطعہ دلچسپ ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کرامیہ فرقہ کے

---

۵۱ طبقات ناصری جلد ۲، ص ۳۵ - ۳۵۱ ۵۲ ایضاً، ص ۳۶۲

منہاج سراج تبدیلی مسلک کی وجہ بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سلطان نے رات کو خواب میں دیکھا کہ وہ قاضی وحیدالدین المروالرودی کے ہمراہ مسجد میں داخل ہوئے۔ ناگاہ امام شافعی تشریف لے آئے اور محراب کے نیچے پہنچ کر نماز کی امامت کی۔ قاضی اور سلطان نے اُن کے پیچھے نماز ادا کی۔ صبح کو بیدار ہونے پر قاضی المروالرودی کو تذکیر کے لیے بلایا۔ منبر پر پہنچتے ہی قاضی نے خواب کی تفصیل بیان کی جو کہ اس نے بھی دیکھا تھا۔ اس پر سلطان نے قاضی کا ہاتھ پکڑا اور شافعی ہونے کا اعلان کر دیا۔

علماء حنفی مسلک کا کس قدر احترام کرتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں خراسان میں شافعی مسلک کے ماننے والے تجارت پیشہ لوگوں میں ملتے تھے۔ ایران اور وسط ایشیاء کے حکمراں زیادہ تر حنفی مسلک کے پیرو تھے۔ لہٰذا اپنے قطعہ میں امام صدرالدین نے یہی طنز کیا کہ اگر بادشاہ کو مسلک ہی بدلنا تھا تو حنفی ہو جانا چاہیے تھا۔ خراسان میں تجارت پیشہ لوگوں میں کثرت سے شافعی مسلک کے پیرو ملیں گے جو کہ بادشاہوں کے محلات کے دروازوں پر منتظر رہتے تھے اور وہ مسلک کی تبدیلی کی وجہ سے حشر کے دن بادشاہوں میں تنہا شافعی ہوگا جس پر امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور اللہ کو بھی خوب نہیں معلوم ہوگا۔ قطعہ دلچسپ ہے اس لیے نقل کیا جاتا ہے۔

درخراسانی خواجہ گونہ شافعی بسیار بود　　بر در ہر خسروی، ای خسرو صاحب نشان
لیک اندر ہفت کشور پادشاہ شافعی　　بہتر ک معلوم کن تا ہیچکس دارد نشان؟
ورکسی گوید خلیفہ شافعی مذہب بود　　حاشی للہ ہیچ زیرک رانباشد ایں گمان
مذہب عباس را اندر خلافت بی خلاف　　حاجتی نبود مخالف ذکر ایں معنی بدان
زو خلاف آخر چو در لبس سیہ صورت بست　　در شعار صبغۃ اللہ این تصور کی توان
کی کند ہرگز خلیفہ جز بہ عباس اقتدا　　کی سزد ہرگز (خلاف) جد و عم زان خاندان
(پس تو باری چون پدر را خواستی کردن خلاف　　چون زرفتی بر شعار و راہ دیگر خسروان)
ورنہ آن کردی و نی دین درجہان خود بگذرد　　حجتی باری طلب کن بہر عذر آن جہان
تا چو ہر کس با امام اہل خیزد روز حشر　　تو درین تقلید خود تنہا بمانی جاودان
شافعی و بوحنیفہ واللہ ایں خواہند گفت　　خوب نبود بی سبب، زان در بدین، زین در بدان

قطعہ سن کر سلطان امام صدرالدین علی نیشاپوری سے ناراض ہو گئے۔ سلطان کی ناراضگی سے خائف ہو کر امام صدرالدین علی نیشاپوری افشین سے بھاگ کر نیشاپور چلے گئے وہاں ایک سال کے قیام کے بعد انھوں نے سلطان کی اعلیٰ صفات کی تعریف میں دوسرا قطعہ کہا اور اس کو سلطان کے پاس بھیج دیا۔ اس قطعہ سے سلطان اس قدر خوش ہوا کہ اس نے امام کو اپنے دربار میں بلا کر اپنے مصاحبین میں شامل کر لیا۔ دراصل تبدیلی مسلک کے باوجود سلطان غیاث الدین محمد بن سام بڑا فراخ دل، انصاف پسند، علم دوست اور عالم نواز فرمانروا تھا۔ منہاج سراج جوزجانی کے مطابق اس کے دربار سے متعلق علماء اور شعراء مختلف مسلک

کے پیرو تھے وہ سب کی قدردانی کرتا تھا۔ صرف قرامطہ فرقہ کے علماء سے پرہیز تھا۔ منہاج جوزجانی اس کی داد و دہش کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خراسان اور وسط ایشیا اور ہندوستان کے فضلا کو بھی ہر سال وہ تحفے اور روپیے بھیجتا تھا۔[1]

مذکورہ بالا تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ کرامیہ فرقہ کا اثر و رسوخ غور اور خراسان میں تیرہویں صدی کے آغاز تک قائم رہا۔ لیکن ۱۲۱۹ء میں وسط ایشیا اور خراسان پر منگولوں کی فتح اور وہاں کے عظیم شہروں میں قتل و غارت گری کی وجہ سے مختلف مکاتب فکر سے متعلق مسلم مشاہیر منتشر ہو گئے تھے۔ ثقافتی مراکز تباہ و برباد ہو گئے تھے اور جو علماء اور فضلا بچ گئے تھے اُن میں سے زیادہ تر ہندوستان آکر پناہ گزیں ہو گئے تھے ہندوستان میں نئی سلطنت کے حکمراں حنفی مسلک کے پیرو تھے اور چونکہ کرامیہ بھی امام ابوحنیفہ سے عقیدت رکھتے تھے لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ وہ سب حنفی سُنّی مسلمانوں کی جماعت میں مدغم ہو گئے ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ تیرہویں صدی عیسوی کی تاریخ کی کتابوں یا علماء اور صوفیاء کے تذکروں میں کسی کرامیہ عالم کا ذکر نہیں ملتا۔

کرامیہ فرقہ کے بانی کے سلسلے میں منہاج جوزجانی کے رویہ کا بھی ذکر بے محل نہ ہوگا منہاج جوزجانی جو کہ حنفی فقہ کے ماہر ہونے کی وجہ سے سلطنت دہلی میں مدرسہ ناصری کے صدر معلم، قاضی القضاہ اور صدر الصدور کے اہم عہدوں پر سرفراز رہے اور ضیاء الدین برنی کے مطابق سلطان بلبن کے عہد میں صدر کے اعلیٰ عہدے پر ہی انھوں نے انتقال فرمایا۔ انھوں نے اپنی تالیف میں ابوعبداللہ محمد بن کرام کا بڑے اہتمام کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ان کے نام کے بعد رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان کو راسخ العقیدہ سنی اور متقی بزرگ مانتے تھے جبکہ وہ اسمٰعیلی فرقہ کے لوگوں کو ملاحدہ لکھتے ہیں۔

اخیر میں یہ اعتراف کرنا ضروری ہے کہ نویں صدی عیسوی سے تیرہویں صدی عیسوی کے آغاز تک کرامیہ علماء نے اہم تاریخی رول ادا کیا تھا۔ انھوں نے درس و تدریس اور تبلیغ دین کے ذریعہ اسلامی علوم اور تعلیمات سے نادار پیشہ ور مسلمانوں کو روشناس کیا اس زمانہ میں اشراف اور پست طبقات کے درمیان خلیج واقع ہو گئی تھی۔ مسلم سلاطین سماجی

---

[1] طبقات ناصری، جلد اول، ص ص ۳۶۱ - ۳۶۲

نابرابریوں کے نظام کو برقرار رکھنے میں دلچسپی رکھتے تھے۔ حصول تعلیم صرف اشراف کے خاندانوں کے افراد کا کام تصور کیا جاتا تھا۔ جہالت پیشہ ور لوگوں کی قسمت کا نوشتہ سمجھی جاتی تھی۔ لیکن کرامیہ علماء کے مدرسوں میں سب طبقات کے بچے اور طلبا حصول علم کے لیے آتے تھے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ابوعبداللہ محمد بن کرام اور اُن کے پیروؤں کی توجہ کا مرکز پیشہ ور غریب مسلمان ہی تھے۔ اُن کے اس روّیہ نے معاشرہ کے پچھڑے ہوئے لوگوں کو معاشی اور ثقافتی طور پر ابھرنے کا موقع بہم پہنچایا اور اس طرح نیچے سے سماجی اپج (Social mobility) بڑھ سکی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں وارد علماء و فضلا اور امراء میں ایسے لوگ بھی شامل تھے کہ وہ خاندانی طور پر نیچے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن علمی صلاحیتوں اور تہذیب اور شائستگی کی بنا پر انھوں نے ہندوستان آکر اپنے آپ کو شیخ اور سید کی حیثیت سے متعارف کرایا اور سلطنت کے نظم و نسق میں نمایاں عہدوں کو حاصل کیا۔ ضیاء الدین برنی کے مطابق سلطان التمش کے مشہور علم دوست اور دین پرور وزیر نظام ملک جنیدی نسلاً پارچہ باف تھے لیکن انھوں نے ہندوستان میں اپنے کو عربی النسل بتایا تھا۔[1]

---

[1] ضیاء الدین برنی۔ تاریخ فیروز شاہی۔ مرتبہ سرسید احمد خاں، کلکتہ ۱۸۶۲ء ص ۳۶ - ۳۷


مکتبہ تحقیق

سے آپ تفسیر و حدیث کی یہ کتابیں طلب کر سکتے ہیں

۱۔ تفہیم القرآن مکمل سیٹ ۶ جلدوں میں۔

۲۔ فی ظلال القرآن (اردو ترجمہ مولانا سید حامد علی) اول، دوم، سوم، پارہ عم۔

۳۔ ترجمان القرآن مکمل سیٹ ۴ جلدیں ۳۰۰/-

۴۔ ابوداؤد (اردو ترجمہ مکمل متن) ۳ جلدیں ۲۷۵/-

۵۔ مشکوٰۃ المصابیح " " ۲۲۵/-

۶۔ ترمذی " ۲ جلدیں ۲۱۰/-

۷۔ مسلم " ۳ جلدیں ۳۲۵/-

ملنے کا پتا: مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

# وجود باری کا فلسفیانہ کلامی تصور اور دلائل

## (اسلام۔ مسیحیت)

محمد ثناء اللہ ندوی

مذہب کی ابتداء اور ارتقاء کے انسانی تصورات خواہ کچھ بھی رہے ہوں[1] اور مذہبی عقائد اور نظام اعمال میں کیسے ہی اختلافات کیوں نہ رہے ہوں[2]۔ نوع انسانی کے ذہن میں ایک ذات الٰہیہ کا شعور اور تصور ہمیشہ موجود رہا ہے۔ مذاہب کے پیروکاروں نے اسی ذات الٰہیہ کے وجود اور خصائص کو ثابت کرنے کیلئے عقلی استدلال واستنباط کا بھی سہارا لیا ہے۔ الٰہیات سے متعلق اس عقلی نظام فکر اور منہاجیات نے کلامی روایات اور ورثہ کو جنم دیا۔ یہ کلامی ورثہ سامی مذاہب کے علاوہ آریائی اور دیگر مذہبی تصورات میں بھی فروغ پایا[3]۔ دیومالائی الٰہیاتی تصورات اور فلسفیانہ الٰہیاتی تصورات بڑی حد تک ایک دوسرے سے مختلف ہیں[4]۔ خود کتابی ادیان کے الٰہیاتی تصورات کی نوعیت فلسفہ کی آمد کے بعد وہ نہ رہی جو فلسفہ کی آمد سے پہلے تھی[5]۔ ان اختلافات کا سبب مذہب اور فلسفہ کی عملیات کا فرق ہے[6]۔

ذات اور صفات الٰہیہ پر فلسفیانہ یا کلامی گفتگو کرنے سے پہلے ایک پیچیدگی کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہوگا۔ غیر الحادی نظام تصورات میں بنیادی طور پر باری تعالیٰ کی جملہ مخلوقات وموجودات سے غیریت (Otherness) پر زور دیا جاتا ہے۔ الٰہیات اور ماوراء طبیعیات پر انسان اگر گفتگو کرنا چاہتا ہے تو اسے ہر حال میں انسانی طبیعیاتی وسائل فکر اور وسائل اظہار کا استعمال کرنا پڑتا ہے جس کا دائرہ حسیاتی مدرکات تک محدود ہے۔ پیچیدگی یہ ہے کہ باری تعالیٰ اگر مخلوقات کا غیر ہے تو پھر اس کی ذات، صفات اور مجموعی طور پر مابعد الطبیعیاتی مسائل پر انسانی یا "غیر مابعد الطبیعیاتی" زبان کے استعمال کا کیا جواز پیدا ہوتا ہے؟ انسانی زبان کی انسانی حسیاتی اور طبیعیاتی حدود سے ہر شخص واقف ہے۔ کیا انسانی زبان اور اس کے حسیاتی تلازمات صحیح معنوں میں اس ماوراء طبیعی غیریت کا ادراک اور اظہار کر سکتے ہیں؟ یہ ایک حقیقت